تقریر

تقریر بابت وجودِ باری تعالیٰ
وقت 5-7منٹ

وجودِ باری تعالیٰ پر دس دلائل

(از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ)

(قسط نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام:104)

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں بلکہ وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ لطیف اور خبر دار ہے۔

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اُس میں وہ کیا نہیں
سورج پہ غور کر کے نہ پائی وہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اُس یار سا نہیں

معزز سامعین! موجودہ سائنس کے دور میں دہریہ لوگ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر خدا موجود ہے تو ہمیں دکھاؤ۔ ہم بغیر دیکھے اُسے کیونکر مان لیں۔ چونکہ اِس وقت کی ہوا نے اکثر نوجوانوں کے دلوں میں اس پاک ذات کے نقش کو مٹا دیا ہے اور کالجوں کے سینکڑوں طالب علم اور بیرسٹر وغیرہ وجودِ باری کے منکر ہو رہے ہیں اور ان کی تعداد روز افزوں ہے اور ہزاروں آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو بظاہر قوم و ملک کے خوف سے اظہار تو نہیں کرتے لیکن فی الحقیقت اپنے دلوں میں وہ خدا پر کچھ یقین نہیں رکھتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے قرآنِ کریم سے انتہائی مدلّل لیکن عام فہم انداز میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں دس مؤثر دلائل بیان فرمائے۔ جن کو دو تقاریر کی صورت میں آپ سامعین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ آج پہلی قسط میں چار دلائل پیش کروں گا۔

حضورؓ فرماتے ہیں کہ دہریوں کا پہلا سوال یہ ہے کہ اگر خدا ہمیں دکھا دو تو ہم مان لیتے ہیں۔

مجھے اس سوال کے سننے کا کئی بار موقع ملا ہے لیکن ہمیشہ اس کے سننے سے حیرت ہوتی ہے۔ انسان مختلف چیزوں کو مختلف حواس سے پہچانتا ہے۔ کسی چیز کو دیکھ کر، کسی کو چھو کر، کسی کو سونگھ کر، کسی کو سن کر، کسی کو چکھ کر، رنگ کا علم دیکھنے سے ہو سکتا ہے، سونگھنے یا چھونے یا چکھنے سے نہیں پھر اگر کوئی شخص کہے کہ مَیں تو رنگ کو تب مانوں گا کہ اگر مجھے اس کی آواز سنواؤ تو کیا وہ شخص بیوقوف ہے یا نہیں؟۔ اِسی طرح آواز کا علم سننے سے ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے فلاں شخص کی آواز دکھاؤ؟۔ پھر مَیں دیکھ کر مانوں گا کہ وہ بولتا ہے تو کیا ایسا شخص جاہل ہو گا یا نہیں۔ ایسا ہی خوشبو سونگھ کر معلوم ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شخص طلب کرے کہ اگر تم مجھے گلاب کی خوشبو چکھا دو تو تب مَیں مانوں گا تو کیا ایسے شخص کو دانا کہہ سکیں گے۔ اس کے خلاف چکھ کر معلوم کرنے والی چیزوں یعنی ترشی، شیرینی، کڑواہٹ، نمکینی کو اگر کوئی سونگھ کر معلوم کرنا چاہے تو کبھی نہیں کر سکتا۔ پس یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو چیز سامنے نظر آئے اُسے تو ہم مان لیں اور جو چیز سامنے نظر نہ آئے اُسے نہ مانیں۔ ورنہ اِس طرح تو گلاب کی خوشبو، لیموں کی تُرشی، شہد کی مٹھاس، مصبّر (مشہور کڑوی دوا) کی کڑواہٹ، لوہے کی سختی، آواز کی خوبی سب کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ یہ چیزیں تو نظر نہیں

آتیں بلکہ سونگھنے، چکھنے، چھونے اور سننے سے معلوم ہوتی ہیں پس یہ اعتراض کیسا غلط ہے کہ خدا کو ہمیں دکھاؤ تب ہم مانیں گے۔ کیا یہ معترض گلاب کی خوشبو کو دیکھ کر مانتے ہیں یا شہد کی شیرینی کو سونگھ کر پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ شرط پیش کی جاتی ہے کہ دکھاؤ تب مانیں گے۔

علاوہ ازیں انسان کے وجود میں خود ایسی چیزیں موجود ہیں کہ جن کو بغیر دیکھے کے یہ ماننا ہے اور اُسے ماننا پڑتا ہے۔ کیا سب انسان اپنے دل جگر دماغ انتڑیاں پھیپھڑے اور تلی کو دیکھ کر مانتے ہیں یا بغیر دیکھے کے۔ اگر ان چیزوں کو اس کے دکھانے کے لئے نکالا جاوے تو انسان اُسی وقت مر جائے اور دیکھنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہ مثالیں تو مَیں نے اس بات کی دی ہیں کہ سب چیزیں صرف دیکھنے سے ہی معلوم نہیں ہوتیں بلکہ پانچ مختلف حواس سے ان کا علم ہوتا ہے۔ اب مَیں بتاتا ہوں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا علم بلاواسطہ ان پانچوں حواس سے بھی نہیں ہوتا بلکہ ان کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہی اَور ہے۔ مثلاً عقل یا حافظہ یا ذہن ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا انکار دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ لیکن کیا کسی نے عقل کو دیکھا ہے یا سنا یا چکھا یا سونگھا یا چھوا ہے پھر کیونکر معلوم ہو کہ عقل کوئی چیز ہے یا حافظہ کا کوئی وجود ہے پھر قوت ہی کو لے لو ہر انسان میں تھوڑی بہت قوت موجود ہے کوئی کمزور ہو یا طاقتور مگر کچھ نہ کچھ طاقت ضرور رکھتا ہے مگر کیا قوت کو آج تک کسی نے دیکھا یا سنا یا چھوا یا چکھا ہے پھر کیونکر معلوم ہوا کہ قوت بھی کوئی چیز ہے اس بات کو ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ ان چیزوں کو ہم نے اپنے حواس سے معلوم نہیں کیا بلکہ ان کے اثرات کو معلوم کر کے ان کا پتہ لگایا ہے۔ مثلاً جب ہم نے دیکھا کہ انسان مختلف مشکلات میں گھر کر کچھ دیر غور کرتا ہے اور کوئی ایسی تدبیر نکالتا ہے جس سے وہ اپنی مشکلات دور کر لیتا ہے۔ جب اس طرح مشکلات کو حل ہوتے ہوئے ہم نے دیکھا تو یقین کر لیا کہ کوئی چیز ایسی انسان میں موجود ہے جو ان موقعوں پر اس کے کام آتی ہے اور اس چیز کا نام ہم نے عقل رکھا۔ پس عقل کو بلاواسطہ ہم نے پانچوں حواسوں میں سے کسی سے بھی دریافت نہیں کیا بلکہ اس کے کرشموں کو دیکھ کر اس کا علم حاصل کیا۔ اسی طرح جب ہم نے انسان کو بڑے بڑے بوجھ اُٹھاتے دیکھا تو معلوم کیا کہ اس میں کچھ ایسا مادہ ہے جس کی وجہ سے یہ بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔ اپنے سے کمزور چیزوں کو قابو کر لیتا ہے اور اس کا نام قوت یا طاقت رکھ دیا۔

اس طرح جس قدر لطیف سے لطیف اشیاء کو لیتے جاؤ گے ان کے وجود انسانوں کی نظروں سے غائب ہی نظر آئیں گے اور ہمیشہ ان کے وجود کا پتہ ان کے اثر سے معلوم ہو گا نہ کہ خود انہیں دیکھ کر یا سونگھ کر یا چکھ اور چھو کر۔

پس اللہ تعالیٰ کی ذات جو الطف سے الطف ہے اس کا علم حاصل کرنے کے لئے ایسی ایسی قیدیں لگانی کس طرح جائز ہو سکتی ہیں کہ آنکھوں کے دیکھے بغیر اُسے نہیں مانیں گے۔ کیا بجلی کو کہیں کسی نے دیکھا پھر کیا الیکٹریسٹی کی مدد سے جو تار خبریں پہنچتی ہیں یا مشینیں چلتی ہیں یا روشنی کی جاتی ہے اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ ایتھر کی تحقیقات نے فزیکل علوم کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا ہے۔ لیکن کیا اب تک سائنس کے ماہرین اس کے دیکھنے، سننے، سونگھنے، چھونے یا چکھنے کا کوئی ذریعہ نکال سکے۔ لیکن اس کا وجود نہ مانیں تو پھر یہ بات حل ہی نہیں ہو سکتی کہ سورج کی روشنی دنیا تک پہنچتی کیونکر ہے۔ پس کیسا ظلم ہے کہ ان شواہد کے ہوتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ خدا کو دکھاؤ تو ہم مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نظر تو آتا ہے لیکن انہیں آنکھوں سے جو اس کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ ہاں اگر کوئی اس کے دیکھنے کا خواہش مند ہو تو وہ اپنی قدرتوں اور طاقتوں سے دنیا کے سامنے ہے اور باوجود پوشیدہ ہونے کے سب سے زیادہ ظاہر ہے۔ قرآن شریف میں اس مضمون کو نہایت ہی مختصر لیکن بے نظیر پیرایہ میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام 104:) یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں بلکہ وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ لطیف اور خبردار ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ تیری نظر اس قابل نہیں کہ خدا کی ذات کو دیکھ سکے کیونکہ وہ تو لطیف ذات ہے اور لطیف اشیاء تو نظر نہیں آتیں۔ جیسا کہ قوت ہے، عقل ہے، روح ہے، بجلی ہے، ایتھر ہے، یہ چیزیں کبھی کسی کو نظر نہیں آتیں پھر خدا کی لطیف ذات تک انسان کی نظریں کب پہنچ سکتی ہیں۔ ہاں پھر خدا کو لوگ کس طرح دیکھ سکتے ہیں اور اُس کی معرفت کے حاصل کرنے کا کیا طریق ہے۔ اس کا جواب دیا کہ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ یعنی خود وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور باوجود اس کے کہ انسانی نظر کمزوری کی وجہ سے اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی وہ اپنی طاقت اور قوت کے اظہار سے وہ اپنی صفات کاملہ کے جلوہ سے اپنا وجود آپ انسان کو دکھاتا ہے اور گو نظر انسانی اس کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ مگر وہ خود اپنا وجود اپنی لاانتہاء قوتوں اور قدرتوں سے مختلف پیرائوں میں ظاہر کرتا ہے۔ کبھی قہری نشانوں سے، کبھی انبیاء کے ذریعہ سے، کبھی آثار رحمت سے اور کچھ قبولیت دعا سے۔

اب اس بات کے ثابت کر چکنے کے بعد کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ماننا اس بات پر منحصر کیا جائے کہ ہم اسے دکھا دیں اور سوائے دیکھنے کے کسی چیز کو مانا ہی نہ جائے تو دنیا کی قریباً 4۔5 اشیاء کا انکار کرنا پڑے گا اور بعض فلاسفروں کے قول کے مطابق تو کُل اشیاء کا۔ کیونکہ ان کا مذہب ہے کہ دنیا میں کوئی چیز نظر نہیں آتی بلکہ صرف صفات ہی صفات نظر آتی ہیں۔

حضورؑ فرماتے ہیں۔ اب مَیں اس طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ کون سے دلائل ہیں جن سے وجودِ باری تعالیٰ کا پتہ لگتا ہے اور انسان کو یقین ہوتا ہے کہ میرا خالق کوئی اَور ہے اور مَیں ہی اپنا خالق نہیں۔

دلیل اوّل: مَیں اپنے عقیدہ کے ماتحت کہ قرآنِ شریف نے کمالاتِ روحانی کے حصول کے تمام ذرائع بیان فرمائے ہیں۔ ہستی باری کے کل دلائل قرآنِ شریف سے ہی پیش کروں گا۔ وَمِنَ اللّٰہِ التَّوْفِیْقُ اور چونکہ سب سے پہلا علم جو انسان کو اس دنیا میں آکر ہوتا ہے وہ کانوں سے ہوتا ہے۔ اس لئے مَیں بھی سب سے پہلے سماعی دلیل ہی لیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی۔ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی (الاعلیٰ: 15-20) یعنی مظفر و منصور ہو گیا وہ شخص کہ جو پاک ہوا اور اُس نے اپنے رب کا زبان سے اقرار کیا اور پھر زبان سے ہی نہیں بلکہ عملی طور پر عبادت کر کے اپنے اقرار کا ثبوت دیا لیکن تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو حالانکہ انجام کار کی بہتری ہی اصل بہتری اور دیرپا ہے اور یہ بات صرف قرآنِ شریف ہی پیش نہیں کرتا بلکہ سب پہلی کتابوں میں یہ دعویٰ موجود ہے چنانچہ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ نے جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی اُس میں بھی یہ تعلیم موجود ہے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ قرآن پر یہ حجت پیش کی ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں سے بچنے والے خدا کی ذات کا اقرار کرنے والے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب اور مظفر ہوتے ہیں اور اِس تعلیم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بات پہلے مذاہب میں مشترک ہے۔ چنانچہ اس وقت کے بڑے مذاہب مسیحی، یہودی اور کفارِ مکہ پر حجت کے لئے حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی مثال دیتا ہے کہ اِن کو تو تم مانتے ہو انہوں نے بھی یہ تعلیم دی ہے پس قرآنِ شریف نے ہستی باری تعالیٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی دیا ہے کہ کُل مذاہب اس پر متفق ہیں اور سب اقوام کا یہ مشترک مسئلہ ہے۔ چنانچہ جس قدر اِس دلیل پر غور کیا جائے نہایت صاف اور سچی معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت میں کُل مذاہب دنیا اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے کُل جہان کو پیدا کیا۔ مختلف ممالک اور احوال کے تغیّر کی وجہ سے خیالات اور عقائد میں بھی فرق پڑتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے جس قدر تاریخی مذاہب ہیں، سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللّسان ہیں۔ گو اس کی صفات کے متعلق ان میں اختلاف ہو۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام، مسیحیت، یہودیت، بدھ ازم، سکھ ازم، ہندوازم اور زرتشتی سب کے سب ایک خدا ایلوہیم، پرم ایشور، پرم آتما، ست گرو، یایزدان کے قائل ہی ہیں مگر جو مذاہب دنیا کے پردہ سے مٹ چکے ہیں ان کے متعلق بھی آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا کے قائل اور معتقد تھے۔ خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جداشدہ ملک میں پیدا ہوئے ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں، خواہ روما میں خواہ انگلستان میں خواہ جاوا سماٹرا میں خواہ جاپان اور چین میں خواہ سائبریا و منچوریا میں۔ یہ اتفاق مذاہب کیونکر ہوا اور کون تھا جس نے امریکہ کے رہنے والے باشندوں کو ہندوستان کے عقائد سے یا چین کے باشندوں کو اہل افریقہ کے عقائد سے آگاہ کیا۔ پہلے زمانہ میں ریل و تار اور ڈاک کا یہ انتظام تو تھا نہیں جو اَب ہے۔ نہ اس طرح جہازوں کی آمدورفت کی کثرت تھی، گھوڑوں اور خچروں کی سواری تھی اور بادبانی جہاز آجکل کے دنوں کا سفر مہینوں میں کرتے تھے اور بہت سے علاقے تو اُس وقت دریافت بھی نہ ہوئے تھے۔ پھر ان میں مختلف المذاق اور مختلف الرسوم اور ایک دوسرے سے ناآشنا ممالک میں اس ایک عقیدہ پر کیونکر اتفاق ہو گیا۔

مَنْ گھڑت ڈھکوسلوں میں تو دو آدمیوں کا اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے۔ پھر کیا اس قدر قوموں کا اور ملکوں کا اتفاق جو آپس میں کوئی تبادلہ خیالات کا ذریعہ نہ رکھتی تھیں اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ عقیدہ ایک امر واقعہ ہے اور کسی نامعلوم ذریعہ سے جسے اسلام نے کھول دیا ہے ہر قوم پر اور ہر ملک میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اہل تاریخ کا اس پر

اتفاق ہے کہ جس مسئلہ پر مختلف اقوام کے مؤرخ متفق ہو جاویں اس کی راستی میں شک نہیں کرتے۔ پس جب اس مسئلہ پر ہزاروں لاکھوں قوموں نے اتفاق کیا ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ کسی جلوہ کو دیکھ کر ہی سب دنیا اس خیال کی قائل ہوئی ہے۔

دلیل دوم:

سامعین! حضورؑ دوسری دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جو قرآن شریف میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق دی ہے ان آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الانعام:84-87) پھر کچھ آیات کے بعد فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام:91) یعنی ایک دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم کے مقابل میں دی اور ہم جس کے درجات چاہتے ہیں، بلند کرتے ہیں۔ تحقیق تیرا ربّ بڑا حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے اُسے اسحاق و یعقوب دیئے۔ ہر ایک کو ہم نے سچا راستہ دکھایا اور نوح کو بھی ہم نے سچا راستہ دکھایا۔ اس سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی اور ہم نیک اعمال میں کمال کرنے والوں کے ساتھ اسی طرح سلوک کیا کرتے ہیں اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی راہ دکھایا اور یہ سب لوگ نیک تھے اور اسماعیل اور یسع اور لوط کو بھی راستہ دکھایا اور ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی تھی اور پھر فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو خدا نے ہدایت دی۔ پس تو ان کے طریق کی پیروی کر۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس قدر نیک اور پاک لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جائے یا وہ بات جو دوسرے ناواقف لوگ کہتے ہیں اور اپنے چال چلن سے ان کے چال چلن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سیدھی بات ہے کہ انہی لوگوں کی بات کو وقعت دی جاوے گی جو اپنے چال چلن اور اپنے عمل سے دنیا پر اپنی نیکی اور پاکیزگی اور گناہوں سے بچنا اور جھوٹ سے پرہیز کرنا ثابت کر چکے ہیں۔ پس ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ انہی کا تتبُّع کرے اور ان کے مقابل میں دوسرے لوگوں کی بات کا انکار کر دے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور خلق کے پھیلانے والے گزرے ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دنیا پر اپنی راستی کا سکّہ بٹھا دیا تھا وہ سب کے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جسے مختلف زبانوں میں اللہ یا گاڈ (God) یا پرمیشور کہا گیا ہے۔ ہندوستان کے راستباز رامچندرؑ، کرشنؑ، ایران کا راستباز زرتشتؑ، مصر کا راستباز موسیٰؑ، ناصرہ کا راستباز مسیحؑ، پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ۔ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جس کو اُس کی قوم نے بچپن سے صادق کا خطاب دیا اور جو کہتا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا (یونس:17)۔ مَیں نے تو تم میں اپنی عمر گزاری ہے۔ کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو اور اُس کی قوم کوئی اعتراض نہیں کرتی اور اِن کے علاوہ ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دنیا میں ہوئے ہیں، یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہم کلام ہوئے۔ بڑے سے بڑے فلاسفر جنہوں نے دنیا میں کوئی کام کیا ہو وہ ان میں سے ایک کے کام کا ہزارواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتے بلکہ اگر ان لوگوں اور فلاسفروں کی زندگی کا مقابلہ کیا جائے تو فلاسفروں کی زندگی میں اقوال سے بڑھ کر افعال کے باب بہت کم نظر آئیں گے۔ وہ صدق اور راستی جو انہوں نے دکھائی وہ فلاسفر کہاں دکھا سکے؟ وہ لوگوں کو راستی کی تعلیم دیتے ہیں مگر خود جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا نام مَیں اوپر لے چکا ہوں صرف راستی کی خاطر ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے لیکن کبھی ان کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اِن کے قتل کرنے کے منصوبے کئے گئے۔ اِن کو وطنوں سے خارج کیا گیا، اِن کو گلیوں اور بازاروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی، اِن سے کل دنیا نے قطع تعلق کر لیا مگر انہوں نے اپنی بات نہ چھوڑی اور کبھی نہ کیا کہ لوگوں کی خاطر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بچا لیتے اور ان کے عمل نے، ان کی دنیا سے نفرت نے، نمائش سے علیحدگی نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ وہ بے غرض تھے اور کسی نفسانی غرض سے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ پھر ایسے صادق ایسے قابل اعتبار یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی، اس کی آواز سنی اور اس کے جلوے کا مشاہدہ کیا تو ان کے قول کا انکار کرنے کی کسی کے پاس کیا وجہ ہے۔ جن لوگوں کو ہم روز جھوٹ بولتے سنتے ہیں وہ بھی چند مل کر ایک بات کی گواہی دیتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے۔ جن کے احوال سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں وہ اخباروں میں اپنی تحقیقات شائع کرتے ہیں تو ہم تسلیم کر لیں گے مگر نہیں مانتے تو ان راستبازوں کا کلام نہیں مانتے۔ دنیا کہتی ہے کہ لندن ایک شہر ہے اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ جغرافیہ والے لکھتے ہیں کہ امریکہ ایک برّاعظم ہے اور ہم اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ سیاح کہتے ہیں کہ سائبیریا ایک وسیع

اور غیر آباد علاقہ ہے۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بہت سے لوگوں کی گواہی اس پر ہو گئی ہے۔ حالانکہ ہم ان گواہوں کے حالات سے واقف نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں یا سچے مگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر عینی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں کہ جن کی سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ انہوں نے اپنے مال وجان وطن عزت وآبرو کو تباہ کر کے راستی کو دنیا میں قائم کیا پھر ان سیاحوں اور جغرافیہ والوں کی بات کو ماننا اور ان راستبازوں کی بات کو نہ ماننا کہاں کی راستبازی ہے۔ اگر لندن کا وجود چند لوگوں سے سن کر ثابت ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود ہزاروں راستبازوں کی گواہی پر کیوں ثابت نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ ہزاروں راستبازوں کی شہادت جو اپنے عینی مشاہدہ پر خدا تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کسی صورت میں بھی ردّ کے قابل نہیں ہو سکتی۔ تعجب ہے کہ جو اس کوچہ میں پڑے ہیں وہ تو سب باتفاق کہہ رہے ہیں کہ خدا ہے لیکن جو روحانیت کے کوچہ سے بالکل بے بہرہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات نہ مانو کہ خدا ہے حالانکہ اصول شہادت کے لحاظ سے اگر دو برابر کے راستباز آدمی بھی ایک معاملہ کے متعلق گواہی دیں تو جو کہتا ہے کہ مَیں نے فلاں چیز کو دیکھا اس کی گواہی کو اس گواہی پر جو کہتا ہے مَیں نے اس چیز کو نہیں دیکھا ترجیح دی جائے گی کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک کی نظر اس چیز پر نہ پڑی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک نے نہ دیکھا ہو اور سمجھ لے کہ میں نے دیکھا ہے۔ پس خدا کے دیکھنے والوں کی گواہی اس کے منکروں پر بہر حال حجت ہو گی۔

دلیل سوم:

سامعین! تیسری دلیل جو قران شریف سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرتِ انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ ماں، بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا ہے، پاخانہ پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں کے ساتھ تعلق ہے، جھوٹ ہے، یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں؟ وہ کیوں ماں اور بہن اور دوسری عورتوں میں کچھ فرق جانتا ہے۔ جھوٹ کو کیوں بُرا جانتا ہے۔ کیا دلائل ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بد نما قرار دیا ہے۔ اگر کسی بالائی طاقت کا رعب اس کے دل پر نہیں تو وہ کیوں ان سے احتراز کرتا ہے؟ اس کے لئے تو جھوٹ اور سچ، ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہئے۔ جو دل کی خوشی ہوئی کر لیا۔ وہ کون سی شریعت ہے جو اس کے جذبات پر حکومت کرتی ہے۔ جس نے دل پر ایک تخت رکھا ہے۔ اور گو ایک دہریہ زبان سے اس کی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اس کی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا اور گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے اجتناب اس کے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جو ابدی کا خوف ہے جو اس کے دل پر طاری ہے گو وہ اس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔ قرآن شرف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیٰمۃ:2-3) یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ جزا سزا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم ان امور کی شہادت کے لئے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک تو اس بات کو کہ ہر بات کے لئے ایک قیامت کا دن مقرر ہے۔ جس میں کہ اس کا فیصلہ ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدی مل جاتا ہے۔ اگر خدا نہیں تو جزا و سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامتِ کبریٰ کے مُنکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ قیامت تو اس دنیا سے شروع ہے۔ زانی کو آتشک و سوزاک ہوتا ہے۔ شادی شدہ کو تو نہیں ہوتا حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ دوسری شہادت نفسِ لوّامہ ہے یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ بات بُری ہے اور گندی ہے۔ دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو بُرا جانیں گے۔ تکبّر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے مگر کیوں؟ ان کے پاس تو کوئی شریعت نہیں۔ اس لئے نہ کہ ان کا دل بُرا مانتا ہے اور دل اسی لئے بُرا مانتا ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکمِ اعلیٰ کی طرف سے سزا ملے گی گو وہ لفظوں میں اُسے ادا نہیں کر سکتا۔ اِسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس:9) اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے۔ پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی زبردست دلیل ہے۔ اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جاوے جو دل میں آئے لوگ کیا کریں۔

چوتھی دلیل:

سامعین! چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذاتِ باری کے متعلق معلوم ہوتی ہے یہ ہے۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيٰى۔ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى (النجم:43-47) یعنی یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچادی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہاء اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی

جاکر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت اور حیات سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور اُس نے مرد و عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز سے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح متوجہ کیا ہے کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کے کرنے والا بھی کوئی ہو۔ پس اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہو گی کہ سب اشیاء آخر جاکر ذات باری پر ختم ہوتی ہیں اور وہی انتہاء ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارے سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کرکے فرمایا ہے کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم توجوں جوں پیچھے جاتے ہو اَور حقیر ہوتے جاتے ہو پھر تم کیونکر اپنے خالق ہو سکتے ہو۔ جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اور انسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اس کی حالت پر جس قدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کرکے اس حالت کو پہنچتا ہے اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہو سکتا تھا۔ تو ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لاانتہاء ہیں۔ غرضیکہ جس قدر انسان کی درجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں اس کے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جاکر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہو گیا اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے اور ہر ایک سائنس دان کو ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی یعنی ہر ایک چیز کی انتہاء ہوتی ہے اور آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لاسکتے اور وہی خدا ہے۔ یہ ایک موٹی دلیل ہے کہ جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی نے ایک بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے۔ پھر اتنی بڑی مخلوقات کو دیکھ کر میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ واقعی یہ جواب ایک سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا۔ لکھا ہے کہ

اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَاَثَرُ الْقَدَمِ السَّفِيْرِ فَالسَّمَآئُ ذَاتُ الْبُرُوْجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ فِجَاجٍ اَمَا تَدُلُّ عَلٰى قَدِيْرٍ۔

(تشحیذ الاذہان مارچ 1913ء)